بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

دین خدا کی طرف سے ایک رحمت ہے اور اس میں انسانیت سے محبت کی رُوح کام کرتی ہے۔ دین خدا کی محبت کا سرچشمہ دلوں میں جاری کرتا ہے اور پھر اس سے محبتِ صداقت اور محبتِ انسانیت کے دھارے بہ نکلتے ہیں۔ محبتِ انسانی کی معراج اخوت ہے۔

فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِکُمْ وَ اَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِہٖ اِخْوَانًا

ترجمہ: پھر اُس نے تمہارے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے محبت بھر دی اور تم بھائی بھائی بن گئے۔

حضورؐ نے فرمایا: "لا تدخلوا الجنۃ حتّٰی تؤمنوا ولا تؤمنوا حتّٰی تحابوا"

ترجمہ: تم جنت میں داخل نہیں ہو سکتے جب تک تم صاحبِ ایمان نہ بنو اور تم صاحبِ ایمان نہیں ہو سکتے جب تک تم آپس میں محبت نہ کرو۔"

صبر، تحمل، رواداری، ہمدردی، رحم دلی، ایثار، خیر خواہی، مدارات، تواضع، حلم وغیرہ بے شمار خوبیاں ہیں جن کے سوتے سرچشمۂ محبت ہی سے پھوٹتے ہیں۔ بصورتِ دیگر اگر نفسانیت کی گدلاہٹ چشمۂ دل میں پیدا ہو جائے تو پھر مذکرہ خوبیوں کے بجائے کبر، حسد، نفرت، انتقام، تصادم، اشتعال، عصبیت، تشدد، جتھے بندیاں، سازشیں اور اس طرح کے

دوسرے رذائل انسان کی زندگی پر چھا جاتے ہیں۔ کچھ لوگ ہو سکتا ہے کہ اپنی ذات کے خول کو بڑا خوشنما بنائے رکھنے کے ماہر ہوں، مگر اس خول میں کوئی نہ کوئی منفی خصلتیں (ایک یا زیادہ) مخفی ہوتی ہیں۔ اور بس کبھی کبھی وہ جھلک دکھا کر اپنے لیے شہادت فراہم کر دیتی ہیں۔

آنحضورؐ نے محبت کا ایک تقاضا یہ بتایا کہ اپنے بھائی کے لیے وہی کچھ پسند کرو، جو کچھ اپنے لیے کرتے ہو، یعنی تم اپنے ساتھ کیسا برتاؤ چاہتے ہو؟ تم دوسروں کی طرف سے کس لہجے میں بات کرنا پسند کرتے ہو؟ تم کبر اور تحقیر کو دوسروں کی طرف سے اچھا سمجھتے ہو؟ تمہیں کیا کسی ساتھی کی انانیت مرغوب ہوتی ہے! تم کیسا مال پسند کرتے ہو؟ کیسی عزت اپنے لیے چاہتے ہو؟ کیا تمہیں اچھا لگتا ہے کہ بات بات پر لوگ تمہیں مجرم ٹھہرائیں؟ کیا تم ضد اور ہٹ دھرمی کے مظاہروں کو پسند کرتے ہو؟ کیا تم کو دھمکیاں دی جائیں تو تم خوش ہوتے ہو؟ پس جو جواب تم ان سوالوں کا اپنے لیے چاہتے ہو وہی اپنے ہر بھائی کے لیے چاہو۔

محبت ذریعۂ ہم آہنگی ہے، محبت ایک دوسرے کا احترام سکھاتی ہے، محبت دلوں کو جوڑتی ہے، محبت ازالۂ شکوک وشبہات کا ذریعہ بنتی ہے، اور محبت پر ذہنی صحت مندی اور کردار کی مضبوطی کا انحصار ہے۔

محبت ہو تو آدمی اپنے اقربا اور رفقاء کی خوبیوں اور اُن کے فضائل کی قدر کرتا ہے۔ ان کی کمزوریوں سے درگزر کرتا ہے، اور اگر کسی کمزوری کی اصلاح مطلوب ہو تو ایسے خیر خواہانہ اسلوب سے ملتا جلتا اور بات چیت کرتا ہے کہ اختلافات کے پہاڑ روئی کی طرح اُڑ جاتے ہیں۔

محبت دوسروں کے دلوں کو نرم کر دیتی ہے اور محبت ذہنوں کے بند دروازے کھول دیتی ہے۔ کسی کو بھائی کہہ کر (اور حقیقتاً سمجھ کر) بلانا، پاس بٹھانا، خود اُس کے پاس چلے جانا، اس کے شکوک دُور کرنا، اُس سے شکایت ہو تو خوبصورت طریق سے بیان کرنا، یہ سب کچھ بہترین نتائج کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

محبت ہوتی ہے تو آدمی دوسرے بھائی کو معاف کرنے کے لیے بآسانی رضامند ہو جاتا

ہے اور محبت ہی یہ ترغیب بھی دلاتی ہے کہ ایک شخص خود آگے بڑھ کر دوسرے سے اپنی کسی غلطی پر معافی مانگے۔

محبت سے دل مالا مال ہو تو وہ کسی دوسرے کی کمزوری دیکھنے سے پہلے اپنے احوالِ درون اور اعمالِ ظاہر پر بھی نظر ڈال لیتا ہے۔

محبت دوسروں سے خراج نہیں مانگتی بلکہ وہ اپنی طرف سے دوسروں کے لیے ایثار کرتی ہے۔

محبت ہو تو آدمی اپنے سے اوپر والوں کا احترام کرتا ہے اور اپنے سے نیچے والوں سے شفقت رکھتا ہے۔

محبت احترامِ آدمیت پیدا کرتی ہے اور ایک بھائی بڑے سے بڑے مرتبے پر ہو کر بھی کسی کو چھوٹا اور ادنیٰ قرار نہیں دیتا۔ ساری مخلوق خدا کا کنبہ ہے، اور سارے انسان اس کے دیے ہوئے اعزازات سے مالا مال ہیں، خصوصاً وہ لوگ جو کلمۃ اللہ کے قائل ہوں، وہ چاہے امیر ہوں یا فقیر ایک خاندان ہیں۔

محبت ہو تو سینے میں کسی کے لیے کینہ بھرا نہیں رہ سکتا۔ اور سینۂ بے کینہ سے جو بات نکلتی ہے وہ اثر رکھتی ہے۔

محبت دعوتِ حق کو پھیلانے کے لیے بھی اشد ضروری ہے۔ جو شخص یہ کام کرنا چاہے اس میں اتنا حوصلہ ہونا چاہیے کہ وہ لوگوں کی طرف سے نہ صرف تنقید اور اعتراض ٹھنڈے دل سے سنے بلکہ ان کی بدکلامی اور زیادہ گرمی بھی برداشت کرے۔

محبت کا جوہر پاس ہو تو آدمی دشمنوں سے بھی بات کرنے سے نہیں جھجکتا۔ لیکن اگر لوگوں سے نفرت ہو تو پھر بہترین دلائل بھی کارگر نہیں ہوتے۔

محبت کی فضا میں دلائل کا وزن اور بڑھ جاتا ہے۔ جب کسی کو یقین ہو کہ ایک ایسا شخص مجھ سے بات کر رہا ہے جس میں نہ کبر ہے، نہ تحقیر ہے، نہ وہ کسی اونچائی پر کھڑا ہو کر بول

رہا ہے، بلکہ وہ مجھ تک محض اس لیے ایک پیغامِ فلاح پہنچا رہا ہے کہ اُس کے دل میں میرے لیے محبت اور خیر خواہی ہے تو وہ بات سُنتا ہے اور اس سے اثر لیتا ہے۔ اگر فوراً نہیں تو کچھ مدت کی مساعی پیہم کے نتیجے میں اس کے اندر تبدیلی نمودار ہوتی ہے۔

لوگ جب ایک دعوت کے علمبرداروں میں ایک مدت تک محبت کا نور جلوہ فرما دیکھتے ہیں، کوئی جھگڑا اُن کے سامنے نہیں آتا، کوئی گالم گلوچ اور ہاتھا پائی نہیں ہوتی۔ اختلافات پر رسہ کشی کا تماشا دکھائی نہیں دیتا۔ کہیں وہ اُن کو ایک دوسرے کے خلاف غیبت کرتے اور غائبانہ طور پر الزام لگاتے نہیں دیکھتے ہیں، کہیں وہ اُن کی الگ الگ ٹولیوں میں کھسر پھسر کا دور چلتا نہیں پاتے تو پھر وہ ایسے لوگوں کے مجموعی طرزِ عمل سے متاثر ہو کر آہستہ آہستہ اُن کے قریب ہوتے اور اُن کی دعوت قبول کرتے ہیں۔

صاحبِ دعوت کے طرزِ عمل کے کسی پہلو میں محبت کے بجائے اگر نفسانیت کارفرما ہوتی ہے تو خوشنما ساحرانہ لفاظیوں سے اوّل تو کوئی بڑا نتیجہ نہیں نکلتا اور اگر اِکا دُکا افراد جذباتی اثر لے بھی لیتے ہیں تو اندر چھپی ہوئی غلاظتوں کے وہ جس قدر قریب جاتے ہیں اور اُن کی بدبُو اور سڑاند محسوس کرتے ہیں تو وہ یا تو ساتھ چلتے ہوئے خود بھی بگڑتے ہیں اور دوسروں میں بھی مزید بگاڑ پیدا کرتے ہیں، یا پھر وہ کوسوں دُور بھاگ جاتے ہیں۔ اور پھر کوئی خوشنما نعرہ اور کوئی پُرجوش مظاہرہ اُن کو کھینچ کے واپس نہیں لا سکتا۔

محبت میں انسانوں کے لیے کشش ہے ــــ بیوی بچوں کے دائرے میں، پڑوسیوں اور دوستوں کے دائرے میں، رفیقوں اور ہم سفروں کے دائرے میں، ایک دفتر اور ایک ادارے میں مل کر کام کرنے والوں کے دائرے میں۔ محبت نہ ہو تو آدمی کی شخصیت دوسروں کو دُور دھکیلنے کا سبب بن جاتی ہے۔

یہ کشش جب کم ہو جاتی ہے تو لوگ چھوٹے چھوٹے قواعد اور ضابطوں کی کسی ایک تعبیر کی آڑ لے کر مشکل سے حاصل شدہ قیمتی افراد کو پل میں دُور پھینک دیتے ہیں، حالانکہ اہلِ دعوت کا اصل کام یہ ہے کہ وہ تھوڑی سی خوبیاں رکھنے والے انسانوں کو بھی اپنی طرف کھینچیں، پھر اور قریب کریں، یہاں تک کہ اُن کو جذب کر لیں۔

پس خدا کے دین کی دعوت دینے والے لوگ اگر الفتِ قلوب اور مقامِ اخوت تک پہنچنے میں کوتاہ رہ جائیں تو وہ درحقیقت اپنی دعوت اور مقصد کو نقصان پہنچانے کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔

محبت خود اجتماعیت کی بھی ایک ضرورت ہے۔

اوّل تو قسم قسم کے کبر اور طرح طرح کی کدورتیں رکھنے والے لوگ کبھی جمع ہو کر کوئی ٹھوس نظم بنا ہی نہیں سکتے، لیکن اگر بنا بھی لیں تو اسے چلا نہیں سکتے، اور اگر انہیں پہلے سے کوئی بنا بنایا دینی نظامِ محبت و اخوت مل جائے تو وہ اپنے طرزِ عمل کے چند جھٹکوں سے اس کے بھی انجر پنجر کو ہلا کر رکھ دیں گے۔

وہ بھی محبت ہی ہوتی ہے جو رہنماؤں اور ذمہ دار اصحاب کے ساتھ ارکان اور کارکنوں کو جوڑتی ہے اور اُن کے دلوں میں اپنی صفِ اوّل کا خاص احترام پیدا کرتی ہے۔ جواباً رہنماؤں اور ذمہ دار حضرات کا بھی فریضہ یہ ہے کہ اُن ارکان اور کارکنوں سے مشفقانہ محبت رکھیں جن کے جڑنے سے اجتماعیت کی ایک مشینری بنی اور چل رہی ہے اور ان میں سے ہر فرد اُن کی بڑائی اور عظمت اور ان کے احترام کا اعتراف کرتے ہوئے اور ان سے محبت رکھتے ہوئے اُن کے احکام کو تسلیم کرتا ہے۔

کوئی شک نہیں کہ عمائد و اکابر کو کبھی نہ کبھی کسی خرابی کا ازالہ کرنے کے لیے سخت احکام بھی دینے پڑتے ہیں۔ اور وہ سب محبتِ صداقت اور محبتِ اجتماعیت کی وجہ سے ہوتے ہیں، مگر دین کے لیے جو رضاکارانہ اجتماعیت کام کر رہی ہوتی ہے اس میں اگر اکثر و بیشتر تحکم کا انداز اختیار کیا جانے لگے، لوگوں کی بات نہ سنی جائے، اُن کی معقول شکایات کا اعتراف کر کے اصلاح کرنے کا جذبہ نہ ظاہر کیا جائے، اُن کو اطمینان بخش جواب نہ دیئے جائیں، ان کے جائز حقوق کو وزن نہ دیا جائے، اُن کے ساتھ انصاف کا برتاؤ نہ کیا جائے تو آہستہ آہستہ پھر سارا نظامِ سمع و طاعت ایک مشینی سیاست کاری بن جاتا ہے، جس میں بے جان پُرزے مل جل کر ایک حرکت کرتے ہیں، مگر ان میں انسانی نظم کی اصل روح باقی نہیں رہتی۔

لوگ اگر تنقید و احتساب کریں تو محبتِ باہمی کا تقاضا یہ ہے کہ خندہ پیشانی سے ان کے احساسات کو معلوم کیا جائے۔ کوئی غلط فہمی ہو تو انہیں مناسب طور سے بات سمجھا دی جائے، اگر اُن کے اُٹھائے ہوئے نکات کا کوئی جز و بھی برحق ہو تو اُن کے سامنے ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اس کا اعتراف کیا جائے یا کسی خرابی یا کمزوری کے ازالے کی فکر کی جائے، بلکہ علوِ مرتبہ تو یہ ہے کہ خود دعوتِ تنقید و احتساب دی جائے اور اگر کوئی بات کرتے ہیں جھجکے تو اس کی ہمت افزائی کی جائے کہ دل جمعی سے اپنی پوری بات کہو۔

اجتماعیت کی لازمی صورت شورائیت ہے۔ اس سطح پر بھی جب دس پچاس افراد یک جا ہوتے ہیں تو پیش نظر موضوعات پر لوگوں کی رائیں مختلف ہوتی ہیں۔ اندازِ بیان مختلف ہوتے ہیں، لب و لہجہ مختلف ہوتا ہے۔ ایسی مجالس میں تنقید و احتساب کے مراحل بھی آتے ہیں، لیکن یہ ساری چیزیں جس قوت سے صاف ہو جاتی ہیں وہ دلائل و حقائق کے اندر کام کرنے والی محبت ہوتی ہے۔

اجتماعیت میں کبھی کبھار خاص خاص نزاعات بھی نمودار ہوتے ہیں اور ان کو یا تو مصالحتی طریق سے حل کرنا ہوتا ہے یا عدالتی طریق سے۔ اور ہر دو طریقوں میں وہی جذبۂ محبت (محبت خدا اور محبت صداقت اور محبت رفقا) کارفرما ہونا چاہیے۔ ایسی کارروائی میں ہر فریق کو یہ احساس ہو کہ اس کے ساتھ انصاف کیا گیا ہے اور کسی شخص کے ساتھ عمر یا علم یا عہدے کی بنا پر کوئی خاص رعایت روا نہیں رکھی گئی ہے، نیز کسی کی غلطی کے بالمقابل اس کی خدمات کو بھی ملحوظ رکھا گیا ہے۔

اس جوہر محبت سے خالی جب کوئی شخص میدان میں آتا ہے تو اچھی خاصی اجتماعیت کو بکھیر دیتا ہے اور جب کوئی دوسرا شخص پیکرِ محبت بن کر ذمہ داری سنبھالتا ہے تو بکھرے ہوئے تارے مل کر پھر کہکشاں بن جاتے ہیں۔

خدا کا شکر ہے کہ مجموعی طور پر ہمارا دعوتِ دین کا کام اور اقامتِ دین کی تحریک اور اس کے لیے اجتماعیت کا دروبست متذکرہ جذبہ محبت ہی کے بل پر چل رہا ہے اور وہی ہم سب کو جوڑنے والی رُوح ہے۔

یہ گفتگو تو محض برائے تذکرہ ہے کہ نفسانیت کو پروان چڑھانے والے اس مادہ پرستانہ دور میں ہم خدا کی محبت، صداقت کی محبت اور انسانوں (خصوصاً رفقائے مقصد) کی محبت کا سرمایہ اپنے خزانۂ رُوح میں کم نہ ہونے دیں۔

یہ یاد دہانی اس لیے ضروری معلوم ہوتی کہ خود ہمارے وطن میں زرپرستی، عیش پسندی، جرائم، قتل و غارت، تباہ کاریاں، تخریبی کارروائیاں اور بات بات پر تشدد و انتقام عام ہو رہا ہے۔

ادھر جس انسانیت کی محبت یہ تقاضا کرتی ہے کہ اس کی اصلاح کی ذمہ داری بھی سنبھالیں وہ سپرپاورز اور جدید مادہ پرستانہ تہذیب کے تسلط سے زار و نزار ہو چکی ہے۔ علم جہالت کی نئی تاریکیاں سامنے لایا ہے۔ سائنس نے انسان کو عقل پرستی کی زنجیروں میں جکڑ لیا ہے۔ ٹیکنالوجی نے اپنے صنم کدے میں اسباب تعیش کے سامانوں کے بُت بنا کر رکھ دیے ہیں اور اُن کی پُوجا کرائی جا رہی ہے۔ عورت کو آزادی اور ترقی اور مساوات کے نام پر گھروں سے نکال کر سرمایہ دار کے روپے کے زور سے اسفلیت کی انتہائی گندگیوں میں گھسیٹا جا رہا ہے۔ ملکوں کے ٹکڑے ہو رہے ہیں، قوموں کو لڑایا جا رہا ہے۔ اسلحہ کے انبار لگائے جا رہے ہیں۔ جرائم کا وہ زور ہے کہ کسی گذرے ہوئے دورِ وحشت میں بھی نہ تھا۔ ہر وعدے میں مکر کی آمیزش اور ہر دوستی میں دشمنی کا زہر شامل ہے۔ نہ قوموں کو قوموں سے محبت ہے اور نہ افراد کو افراد سے۔ ادبی تحریروں میں بڑے اینچ پینچ ہوتے ہیں، صحافتی نگارشات میں نت نئے تضاد رُونما ہوتے ہیں، حکام اور لیڈروں کے انٹرویو اور بیانات اور پھر حریفانہ جواب اور پھر تردیدیں ایک ایسا گرداب پیدا کرتی ہیں جس میں سچائی کی کشتی تو بالعموم ڈوب جاتی ہے، ہاں کچھ بلبلے پانی کی سطح پر ایسے رہ جاتے ہیں جو بڑے دلکش معلوم ہوتے ہیں۔

آج کے معاشروں میں سیلز مینوں کا میٹھا تبسم رہ گیا ہے یا سیلز گرلز کا مصنوعی تبسم۔

کرۂ ارضی کے تمام انسان قسم قسم کی انسانی خدائیوں کے پجاری ہیں اور سرکش پر خوف وغم، حسرت وارمان، یاس وقنوط، قلق واضطراب اور انتشار و التہاب کی وباؤں کا شدید حملہ ہے۔

اس قسم کی فضا کے محافظوں کے خلاف کبھی اگر جہاد بھی کرنا پڑتا ہے تو اس میں ان ہزارہا انسانوں کو بچانے کے لیے محبتِ انسانیت کام کر رہی ہوتی ہے جو اس فضا میں پس رہے ہوتے ہیں۔

اے وہ لوگو جو ساری نوعِ انسانی کو کینہ و نفرت اور مفاد و تعیش اور تشدد و جرم سے بھرے ہوئے اس ماحول سے بچا نکالنا چاہتے ہو، خدا کے لیے تاریکی میں ڈوبی ہوئی انسانیت کے سامنے محبتِ خدا اور محبتِ صداقت اور محبتِ انسانیت کے چراغ روشن کر دو۔

اگر تم نے خود اپنے اندر یہ چراغ گُل کر لیے، اپنے ہی دلوں کے گرد دھواں دھاری پیدا کر دی اور آہستہ آہستہ تم خود ہی بحرِ ظلمات میں ڈوبنے لگ گئے تو پھر اربوں انسانوں کو کون سہارا دے گا۔

"کُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰہِ اِخْوَانًا"۔

خواتین کیلیے تین خوبصورت کتابیں

۱۔ شمعِ حرم	محمد یوسف اصلاحی	۱۲/- روپے
۲۔ عورت اور اسلام	جلال الدین عمری	۹/- "
۳۔ عورت قرآن کی نظر میں	شمیمہ محسن	۱۲/- "

البدر پبلی کیشنز ۔ ۲۳ ۔ راحت مارکیٹ ۔ اردو بازار لاہور